ڈاکٹر محمد اجمل نیازی

اسلامی واقعات کی ایک منفرد ترتیب

"تاریخ حریت اسلام" ——— "تاریخ کا روشن پہلو" ——— "وجدانی نشتر"

تاریخ نویسی کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مختلف موضوعات پر واقعات جمع کر دیئے جائیں اور پھر انھیں مرتب کر کے یکجا کر دیا جائے۔ ان واقعات کو ایک ایسے اسلوب میں لکھا جائے کہ ان میں موقعے کے مطابق ایک خاص تاثیر گھل جائے۔ منشی محمد الدین فوق کو ایک موضوع یا عنوان کے تحت جتنی چیزیں ملتی تھیں وہ انھیں ایک جگہ اکٹھا کر دیتے تھے۔ اس طرح ان کے قارئین کو اپنی پسند کے واقعات آسانی سے مل جاتے ہیں۔ اس پر فوق صاحب کا سادہ انداز ایک اور آسانی کا سامان پیدا کر دیتا ہے اور ان کی تحریر میں دوہری سہولت کی خصوصیت ایک منفرد رنگ اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔ اس وقت ان کی تین کتابیں زیر بحث ہیں۔ تینوں کا موضوع مختلف مگر انتہائی اہم ہے: "تاریخ حریت اسلام"[1] مسلمانوں کی حریت پسندی کی ایک مربوط داستان ہے۔ حکمرانوں کے سامنے جرأت اظہار پر مبنی واقعات بے حد مؤثر ہیں۔ "تاریخ کا روشن پہلو"[2] انسان کے اندر مثبت سوچ اور رواداری کا بیان ہے۔ مسلمان حکمرانوں کا دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک ہماری شاندار روایات میں سے ہے۔

"وجدانی نشتر"[3] میں مختلف موقعوں پر لوگوں کے دلوں پر مرتب ہونے والی کیفیات کا ایک تذکرہ ہے۔ قرآنی

---

[1] ظفر برادرس لاہور۔ طبع اوّل، مارچ ۱۹۲۱ء

[2] ایضاً۔ دسمبر ۱۹۲۹ء

[3] احمس معین الاسلام، لاہور۔ طبع اوّل ۱۹۱۵ء

آیات اور احادیث کے علاوہ عربی ، فارسی اور اردو اشعار سننے کے بعد جو دل پہ گزرتی ھے ، سچے واقعات کی روشنی میں اس کا احوال لکھا ھے ۔

یہ کتابیں فوق صاحب کے ایک منفرد اسلوب تاریخ کو ھمارے سامنے لاتی ھیں ۔ ماضی کے مختلف زمانوں میں بکھرے ھوئے واقعات کو اکٹھا کرنا کوئی آسان کام نہیں ۔ یہ واقعات ھمیں دوسری تاریخوں میں بھی مل سکتے ھیں ۔ مگر اس طرح یکجا اور مربوط شکل میں نہیں ملیں گے ۔ یہ کام فوق جیسا کوئی مسلسل کام کرنے والا ، اپنی دھن کا پکا شخص ھی کر سکتا ھے ۔ یہ تینوں کتابیں اس لحاظ بہت اھم ھیں کہ اپنے زمانے میں یہ بہت بروقت علمی سرگرمی کی حیثیت رکھتی تھیں ۔ اُس زمانے میں ایک بات تو یہ تھی کہ دنیا میں اور بالخصوص عالم اسلام میں آزادی کی تحریکیں چل رھی تھیں اور لوگ جبر و استبداد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رھے تھے ۔ دوسری بات تو یہ تھی کہ برصغیر میں مذھبی فرقہ واریت کی فضا عام ھو رھی تھی اور ضرورت اس امر کی تھی کہ لوگ اس وبا سے بچیں ۔ تیسری بات یہ تھی کہ مسلمانوں کے دلوں میں سوز و گداز کی کیفیت کم ھو رھی تھی ۔ ان تینوں صورتوں کی روشنی میں " تاریخ حریت اسلام " " تاریخ کا روشن پہلو " اور " وجدانی نشتر " کی ضرورت کو محسوس کیا جا سکتا ھے ۔ ھر زمانے کی فلاح و بقا کے لیے یہ ضرورت محسوس کی جاتی رھے گی ۔

" تاریخ حریت اِسلام "
==========

تاریخ حریت اسلام کا پہلا ایڈیشن ۷ ، مارچ ۱۹۲۱ء اور دوسرا ایڈیشن ۱۹ ، نومبر ۱۹۲۱ء میں شائع ھوا ۔ پہلا ایڈیشن تین سو صفحات اور دوسرا ایڈیشن چار سو صفحات پر مشتمل ھے ۔ طبع سوم جولائی ۱۹۳۱ء میں فوق صاحب کے اشاعتی ادارے ظفر برادرس لاھور کی اجازت سے شیخ جان محمد اللہ بخش تاجران کتب علوم شرقی لاھور نے شائع کی ۔ اِسکی ضخامت چارسو پینسٹھ صفحات ھے ۔ چارسو پینسٹھ صفحات کی یہ کتاب شیخ جان محمد

اللہ بخش کی فرمائش پر ملک دین محمد اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب لاہور نے بھی شائع کی ۔ اس کتاب پر سن اشاعت درج نہیں ۔ کتاب میں فوق صاحب کا دیباچہ بھی شامل نہیں ۔ جبکہ پہلی کتاب (طبع سوم) میں دیباچہ موجود ہے۔ دیباچے میں فوق صاحب نے لکھا ہے :

" اسلامی مدارس ، قومی سکولوں اور لائبریریوں کے علاوہ ریاست ہائے بھوپال اور بہاولپور اورپنجاب کے محکمہ تعلیم نے بھی "تاریخ حریتِ اسلام " کو منظور فرما کر حوصلہ افزائی کی ہے ۔ "

"تاریخ حریتِ اسلام " میں زمانۂ رسالت ، عہدِخلافتِ راشدہ دور خلفائے بنی امیہ و عباسیہ ، عہدِ بویہ و سلجوقیہ ، دولت ہسپانیہ و غزنویہ کے علاوہ ترکی و مصر ، الجزائر و مراکش ، فرماں روایانِ ہند (خاندانِ افاغنہ و غلامانِ وعہدِ مغلیہ) اور مسلمان بادشاہانِ دکن ، سندھ و کشمیر کے عہد گذشتہ کے راستباز اور حق پرست بزرگوں کے حیرت انگیز ، جرأت آفریں اور ولولہ انگیز ، استقلال اور جوش و ایثار کے حریت آموز حالات اور عدل و انصاف آزادی و مساوات ، خدا ترسی و پاکیزہ نفسی کے حامی بادشاہوں کے سبق آموز واقعات کےعلاوہ پرستارانِ حق و صداقت اور فدائے مذہب و ملت عورتوں کے سوانحات درج ہیں ۔

مندرجہ بالا اقتباس فوق صاحب کی ان کتابوں کے آخری صفحے پر بہت واضح انداز میں لکھا ہوا ملتا ہے ۔ یہ تحریر " تاریخ حریتِ اسلام " کے پہلے صفحے پر بھی لکھی ہوئی ہے جو اصل میں اس کتاب کے موضوع کا جوہر ہے ۔

فوق صاحب نے کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا ہے ۔ ہر باب میں کئی فصلیں ہیں ۔ ہر فصل کسی نہ کسی شخصیت کے حوالے سے مخصوص کی گئی ہے ۔ یہ کتاب بھی فوق صاحب کی دوسری کتابوں کی طرح اپنے اندر ایک مقصدی جذبہ رکھتی ہے۔ فوق صاحب ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے اپنے تابناک ماضی کی رنگا رنگ تصویریں پیش کرنا چاہتے تھے ۔ ان کے حال میں ان کا شاندار ماضی زندہ کرنا چاہتے تھے ۔ فوق نے تاریخ

میں جرأتوں اور حوصلوں کا خزانہ تلاش کرلیا تھا ۔ اس کے ذریعے وہ اس خزانے کو حاصل کرنا چاہتے تھے جو مسلمانانِ ہند کے دلوں میں کہیں چھپ گیا ہے ۔ ولولہ انگیز واقعات پر مبنی اس کتاب میں فوق صاحب یہ بھی بتانا چاہتے تھے کہ ہماری تاریخ بہت عظیم ہے ۔ اس میں بڑی شخصیات بھی بےشمار ہیں اور ان سے متعلق واقعات بھی ان گنت ہیں ۔ انہوں نے یہ بھی کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ واقعات اس کتاب میں بیان کر دیے جائیں ۔ یہ حقیقت میں مسلمانوں کی تاریخ کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے ۔ انھوں نے یہ کوشش کی ہے کہ کوئی اہم واقعہ رہنے نہ پائے ۔ اس طرح اختصار نے جامعیت کا رنگ اختیار کر لیا ہے ۔ متنازع حیثیت کے واقعات کے لیے ممکن حد تک تحقیق کی ہے کسی مقام پر ان سے اختلاف کیا جاسکتا ہے ۔ مگر تیرہ سو سال پر پھیلی ہوئی تاریخ کو ایک خاص مقصد سے واقعات کی صورت میں جمع کرنا ایک بہت بڑی خدمت ہے اور ایک کارنامہ بھی ہے ۔ فوق ہر عہد کے صرف بادشاہوں کا ذکر ہی نہیں کرتے ، ممتاز علماء ، صوفیاء اور دوسرے اہم متعلقہ اشخاص کا تذکرہ بھی کرتے ہیں ۔

ابھی یہ کتاب شائع نہیں ہوئی تھی کہ اس کا چرچا ہونے لگا تھا ۔ ۲۷ ، اکتوبر ۱۹۲۰ء کو فوق صاحب کے نام علامہ اقبال نے ایک خط میں لکھا :

" مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ نے " تاریخ حریت اسلام " لکھی ہے ۔ یہ کتاب لاجواب ہوگی اور مسلمانوں کے لیے تازیانے کا کام دے گی ۔ آپ بڑا کام کر رہے ہیں ۔ اس کا اجر خدا تعالیٰ کی درگاہ درگاہ سے ملے گا ۔ " [۴]

کتاب کے شائع ہونے کے بعد اقبال نے ان تاثرات کا اظہار کیا ۔

" فوق صاحب کو اسلامیات سے ہمیشہ شغف رہا

---

[۴] " انوار اقبال " طبع اوّل ۔ ص : ۶۹

ہے ۔ اس سے پہلے آپ کی متعدد تصانیف شائع ہوچکی ہیں ، لیکن حق یہ ہے کہ " حریت اسلام " آپ کی بہترین تصنیف ہے ۔ دلیری اور بے باکی سے اعلانِ حق کرنا گذشتہ مسلمانوں کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو تھا ، مگر افسوس کہ عصر حاضر کے عام مسلمان تاریخ اسلام سے بالکل بے بہرہ ہیں ۔ اچھے اچھے تعلیم یافتہ بھی موٹے موٹے واقعات سے بے خبر ہیں ۔ ان حالات میں فوق کی تصنیف پنجاب کے اسلامی لٹریچر میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان خاندان اس بیش بہا کتاب کے مطالعے سے محروم نہ رہے گا ۔ " [۵]

علامہ اقبال نے تاریخ حریت کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کو ایک شعر میں سمو دیا ہے ۔ لگتا ہے جیسے فوق صاحب کی کتاب اس شعر کی تشریح ہے ۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

یہاں فوق صاحب کا اسلوب قدیم تذکرہ نگاروں جیسا ہے۔ جہاں وہ اپنی انشاء پردازی کے جوہر دکھانا چاہتے ہیں تو ان کی نثر میں رنگینی اور لطافت پیدا ہوجاتا ہے اور اِنکا قلم موتی بکھیرتا چلا جاتا ہے ۔ صفحہ ۳۹ پر ایک اقتباس ملاحظہ کریں :

" یہ تھے شمعِ نبوت کے پروانے اور یہ تھی ان کی سوزشِ قلبی ۔ ان کی استقامت ، استقلال ، ان کی قربانیاں ، ان کی جاں نثاریاں ۔ لیکن کیا اِس داستانِ رنگیں میں ہمارے لیے کچھ بصیرت نہیں ۔ برادرانِ ملت اپنے قلوب کا جائزہ لیں تو وہاں اِسی آگ کی چھوٹی چھوٹی چنگاریاں بھی ہیں ۔ خدا اور رسول کے احکام کی بجاآوری کے لیے اشاعتِ توحید کے لیے ، کلمۂ حق و حریت کے لیے جو مصائب کے پہاڑ

---

[۵] "حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں " طبع اوّل ۔ ص ۲۶۲

ٹوٹ پڑتے ہیں ، ان کی برداشت کے لیے کس حد تک ایثار کرسکتے ہیں ۔ "

اس کتاب کے مطالعے کے دوران یہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم بار بار یاد آتی ہے ۔

" جابر سلطان کے آگے کلمۂ حق بلند کرنا سب سے بڑا جہاد ہے ۔ " [۶]

" تاریخ کا روشن پہلو "

۱۱۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب پر تاریخِ اشاعت درج نہیں ۔ عرض حال کے تحت دیباچے میں فوق صاحب نے جو تاریخ لکھی ہے وہ ۱۴ ، دسمبر ۱۹۲۹ء ہے ۔ کتاب ظفربردارس لاہور نے شائع کی ہے ۔

محمد الدین فوق تاریخ اور زندگی کا روشن پہلو دیکھنے کا مزاج رکھتے تھے ۔ ہماری تاریخ کی رہگذر پر تاریک گوشے بھی ہیں ۔ المناک واقعات کی بھی کمی نہیں ۔ لیکن تاریخ نویسی کے حوالے سے فوق صاحب کوشش کرتے ہیں کہ حیات آفرین حالات سے لوگوں کو باخبر کیا جائے ۔ وہ تاریخ میں انسانی عظمتوں اور خوبیوں کی تلاش کو مقصدِ وحید قرار دیتے ہیں ۔ خاص طور پر واقعات سے مرتب کی ہوئی اپنی تاریخوں میں وہ ایسا انداز اختیار کرتے ہیں کہ قارئین میں ہمت اور شرافت کے جذبات کو جِلا ملے ۔ اچھے مؤرخ کے لیے مثبت فکر کا حامل ہونا بہت ضروری ہے ۔ " تاریخ کے روشن پہلو "میں فوق صاحب کے عمومی اور مجموعی رجحان فکر کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اس کتاب میں برصغیر کی تاریخ میں سے ایسے واقعات منتخب کرکے جمع کر دیے گئے ہیں ، جن میں مسلمان بادشاہوں کی رواداری کشادہ دلی ، وسعتِ نظری ، بے تعصبی ظاہر ہوتی ہے بلکہ ثابت ہوتی ہے یہ حکمران بلا تفریق مذہب و ملت تمام رعایا سے یکساں طور پر اچھا برتاؤ کرتے تھے ۔ فوق نے انکی زندگیوں

---

[۶] امام نسائی ، " سنن نسائی " ۔ بیروت : دار الکتاب العربیہ ، سن ندارد ، جلد ۷ ، ص : ۱۶۱

میں سے ایسی مثالیں پیش کی ہیں جن کے مطالعے سے ولولۂ تازہ پیدا ہوتا ہے اور ایک ہمہ گیر محبت اور دوستی کے خیالات آدمی کے دل میں ابھرتے ہیں ۔

اس کتاب میں جمع واقعات کا اسلوب " تاریخ حریت اسلام" والا ہے ۔ ان واقعات میں کہانی کا انداز بھی ہے ۔ تاریخی حقیقتوں کو سمجھنے کے لیے انھیں قصّے کا رنگ دینا مؤرخوں کا پرانا اسلوب ہے ۔ یوں لگتا ہے جیسے چھوٹی چھوٹی حکایات بیان کر دی گئی ہوں ۔ ان میں سبق آموز کہانیوں والی تاثیر موجود ہے لیکن کہیں بھی حقائق کو مسخ نہیں کیا گیا تاریخی صداقت کی تحقیق کے لیے فوق صاحب بہت محنت کرتے ہیں اور کئی کتابوں اور لوگوں سے مدد لیتے ہیں ۔ وہ بات کو جذباتی بنا کر اپنا مقصد حاصل کرنے کے حق میں نہیں ۔ فوق صاحب کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ تاریخ بنانے کے لیے آدمی کو ہمیشہ روشن پہلو پر نظر رکھنی چاہیے ۔ فوق صاحب دیباچے میں لکھتے ہیں :

> " اہل ہند کو اپنی تاریخ کا روشن پہلو دکھایا جائے ۔ اس ملک میں جہاں آج بات بات پر بے اعتمادی اور لڑائی جھگڑا شروع ہوجاتا ہے ان میں کبھی اعتماد اور محبت و اخوت کے خوشگوار تعلقات بھی تھے ۔ "

اپنے زمانے میں تو یہ کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت تھی ہی ، کسی بھی زمانے میں اس کی اہمیت میں کمی واقع نہ ہو گی ۔ اہل ہند ، عالم اسلام اور پوری دنیا کو ہمیشہ تعصب اور تنگ نظری سے پاک معاشرے کی تلاش میں اس کتاب کی مدد حاصل رہے گی ۔ جاوید نجیب لکھتے ہیں :

" تاریخ کا روشن پہلو " لکھ کر فوق نے مسلمان حکمرانوں کی رواداری اور حسن سلوک کی منادی کرائی ۔ اس بصیرت افروز کتاب سے متاثر ہوکر خواجہ حسن نظامی نے روزنامچے مورخہ ۲۴ ، اپریل ۱۹۳۲ء میں لکھا :

" بیماری کے زمانہ میں " تاریخ کا روشن پہلو" ہمیشہ میرے سرہانے رہی اور میں نے بار بار اس کو پڑھا اور

اس کتاب کے مضامین کا اتنا اثر مجھ پر ہوا کہ جب سنیاسیوں کی زہریلی دوا کے خلاف میرے احباب نے پولیس کی کاروائی کرنے پر زور دیا تو میں نے سنیاسیوں کی ہر شورش کو دبا دیا ۔ " [۷]

" وجدانی نشتر "
==========

۴۸ صفحات کی یہ کتاب " وجدانی نشتر " کا پہلا حصّہ ہے جو عبداللہ قریشی سیکرٹری انجمن معین الاسلام لاہور کی فرمائش پر اتحاد پریس لاہور سے چھاپی گئی ہے ۔ کتاب پر سنِ اشاعت درج نہیں ۔ قریشی صاحب نے بتایا کہ یہ اقبال کی وفات کے بعد ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی ۔ پیش لفظ کے طور پر قریشی صاحب نے ۱۲ صفحے کا دیباچہ لکھا ہے ۔ قریشی صاحب صفحہ نمبر ۱۶ پر لکھتے ہیں ۔

" اگر اس کتاب کو پسند کیا گیا تو
انشاءاللہ اس کے باقی حصّے بھی جلد شائع کیے
جائیں گے جو " برق طور " ، " پیام وصال " ،
" تیر و نشتر " ، درد و دل " اور "حال و قال"
کے ناموں سے موسوم ہیں " ۔

یہ پانچوں حصّے تاحال غیر مطبوعہ ہیں اور قریشی صاحب کے پاس محفوظ ہیں ۔

" وجدانی نشتر عرف سوز و ساز " مکمل شکل میں پہلی بار دسمبر ۱۹۱۵ء میں گلزار سٹیم پریس لاہور سے شائع ہوئی ۔ اس کتاب کی ضخامت ۱۲۸ صفحات ہے ۔ یہ چھ حصّوں پر مشتمل ہے جن میں سے کچھ بہت مختصر ہیں ۔ قرآنی آیات سے مختلف بزرگوں کے دلوں میں مرتب ہونے والے اثرات پر مشتمل واقعات کتاب کے پہلے حصّے میں شامل ہیں ۔ یہ حصّہ ۱۱ صفحات پر مشتمل ہے جبکہ علیحدہ کتابچے میں شائع ہونے والے حصّے کی ضخامت ۴۸ صفحات ہے ، جس میں ۱۲ صفحات پر عبداللہ قریشی صاحب کا دیباچہ بھی شامل ہے ۔ اس کے باوجود ان واقعات پر مشتمل

---

[۷] " شیرازہ " فوق نمبر ، ص : ۱۳۸

صفحات کا تعداد دو اڑھائی گنا بنتی ہے ۔ یہ کتابچہ فوق کی زندگی میں شائع ہوا تھا ۔ انھوں نے اس کے علاوہ دوسرے حصّوں میں بھی خود ترمیم و اضافہ کیا تھا اس لیے یہاں ان ترمیم شدہ حصّوں کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے ۔ فوق نے اس کتاب کے موضوع کی اہمیت اور تاثیر کو محسوس کرتے ہوئے اس کتاب کو دو جلدوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا تھا مگر ان کی زندگی میں یہ نہ ہوسکا ۔ راقم نے مطبوعہ کتاب کو بھی اپنے پیش نظر رکھا ہے ۔ اس کتاب میں فوق نے دیباچہ تحریر نہیں کیا تھا جبکہ ان کے غیر مطبوعہ مسودے میں انکا دیباچہ بھی شامل ہے ۔ آگے چل کر اس دیباچے کا جائزہ لیا گیا ہے ۔ فوق کی مطبوعہ کتاب (طبع اوّل ۱۹۱۵ء) کے حوالے سے علامہ اقبال کی رائے بہت اہم ہے جو موضوع کی افادیت اور تاثیر کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے ۔ علامہ صاحب لکھتے ہیں :

> " مولوی محمد الدین فوق ایک صاحبِ ذوق آدمی ہیں ۔ ان کی جدت پسند طبعیت ہمیشہ انوکھی باتوں کی تلاش میں رہتی ہے ۔ انھوں نے ایک کتاب موسوم بہ " وجدانی نشتر " لکھی ہے جس میں عربی ، فارسی ، اردو اور پنجابی اشعار جمع کر دیے ہیں اس کتاب کی تالیف میں ان کو بہت محنت کرنا پڑی ہوگی ۔ مگر مولوی محمد الدین فوق محنت سے گھبرانے والے نہیں ۔ کتاب نہایت اچھی اور دلچسپ ہے اور انسانی قلوب کی گوناگوں کیفیات پر روشنی ڈالتی ہے ۔ فوق صاحب کی تلاش قابل داد ہے ۔ " [۸]

اس تبصرے سے ڈیڑھ سال قبل اقبال نے ایک خط میں بھی اس کتاب کی تعریف کی تھی ۔ مگر ایک واقعے کی وجہ سے سخت تنقید بھی کی تھی ۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اقبال ، فوق کی تحریروں کو کس قدر اہمیت دیتے تھے ۔ اس سے اقبال کے خیالات و رجحانات کو جاننے میں بھی مدد مل سکتی ہے ۔

---

[۸] ماہنامہ " طریقت " لاہور ، جون ۱۹۱۷ء

۲۳ ، دسمبر ۱۹۱۵ء کو لکھے گئے ایک خط میں لکھتے ہیں :

" وجدانی نشتر " خوب ہے ، مگر تعجب ہے کہ شیخ مُلا (ملا شاہ بدخشی) کے ملحدانہ اور زندیقانہ شعر " من چہ پروائے مصطفیٰ[1] دارم " کو آپ اس کتاب میں جگہ دیتے ہیں اور پھر مُلا کی تشریح کس قدر بے ہودہ ہے ۔ یہی وہ وحدت الوجود ہے جس پر خواجہ حسن نظامی اور اہلِ طریقت کو ناز ہے ۔ اللہ تعالی ان لوگوں پر رحم کرے اور ہم غریب مسلمانوں کو ان کے فتوں سے محفوظ رکھے ۔ " [۹]

یہ واقعہ " وجدانی نشتر " کے حصّہ چہارم موسوم بہ " تیر و نشتر " کے صفحہ ۱۰۷ پر درج ہے ۔ اس حصّہ میں فارسی اشعار کے اثرات کے حوالے سے واقعات تحریر کیے گئے ہیں ۔ اس کتاب میں یہ حصّہ سب سے طویل ہے جو تقریباً ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ترمیم شدہ غیر مطبوعہ مسودے میں اس کی ضخامت اور بھی بڑھا دی گئی ہے ۔ فوق نے ترمیم شدہ مسودے میں اقبال کی ہدایت کے مطابق یہ واقعہ حذف کر دیا ہے ۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ خواجہ حسن نظامی بھی فوق کے دوستوں میں سے تھے اور اس کتاب کے حوالے سے فوق نے اپنے غیر مطبوعہ دیباچے میں بھی ان کا ذکر کیا ہے ۔ علامہ اقبال کے خیالات کی موجودگی میں یہاں اس واقعے کو نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ فوق لکھتے ہیں :

" حضرت ملا شاہ ، حضرت میاں میر لاہور کے مریدِ خاص اور شہزادہ داراشکوہ کے مرشد گرامی تھے ۔ حضرت میاں میر کی وفات کے بعد حضرت ملا شاہ کشمیر میں گئے وہاں ان کی عمارات کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں ۔ ملا شاہ نے انہی دنوں میں ایک شعر کہا تھا ۔

پنجہ در پنجۂ خدا دارم
من چہ پروائے مصطفیٰ[1] دارم

شاھجہاں بادشاہ نے علمائے دھلی سے فتوی طلب کیا کہ ملا شاہ اس شعر کے کہنے سے واجب القتل ھے یا نہیں ۔ کیونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اھانت ہوتی ھے ۔ شاھجہاں نے ملا شاہ کو بھی بلوایا تو ملا شاہ نے کہا کہ توھینِ مصطفیٰ تو لوگ کرتے ھیں جو اپنے اور مصطفیٰ اور خدا میں تفریق کرتے ھیں ۔ خدا کے پنجہ میں آپ بھی ھیں میں بھی ہوں اور مصطفیٰ بھی ھیں ۔ پھر پروا کس کی اور خوف کس کا ۔ بادشاہ خاموش ہوگیا ۔ اھل کشمیر نے جمع ہو کر کہا کہ مُلا شاہ نے بادشاہ پر جادو کر دیا ھے ۔ جب وہ دعوئ الوھیئت کرتا ھے تو قتل اس کا کیوں لازم نہیں ۔ اس ارادے سے سب لوگ مُلا شاہ کے پاس گئے لیکن جب اس کے پاس پہنچے تو بہت سے بھاگ گئے اور اکثر ان کے مطیع و معتقد ہو گئے ۔ "

"وجدانی نشتر " مطبوعة (۱۹۱۵ء) کے اس مختصر تعارف کے بعد اب ھم " وجدانی نشتر " کا جائزہ لیتے ھیں ۔ جس کا ذکر پہلے صفحات میں کیا گیا ھے ۔ " وجدانی نشتر " (مطبوعة ۱۹۱۵ء) کا سارا مواد اس مسودے میں شامل کر لیا گیا ھے ۔ پہلے حصّے پر مشتمل " وجدانی نشتر "(۱۹۳۹ء) کے نام سےمطبوعة اس کتابچے میں ۲۳ ، واقعات ھیں ، جن کے مطالعے سے پتہ چلتا ھے کہ اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم کی تلاوت سن کر مختلف لوگوں کے ذھن و قلب پر کیا اثرات مرتب ہوئے اور ان کی شخصیت اور زندگی میں کیا کیا تبدیلیاں نمودار ہوئیں ۔ کتاب کا آغاز ان واقعات سے ہوتا ھے جب خود رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر وحیِ الٰھی کے نزول کے وقت رقت اور وجد کی حالت طاری ہوئی اور پھر عہدِ نبوی میں اس کلام معجزنما

---

۹ " انوار اقبال " طبع اوّل ، صفحة ٦۲

سے کئی انقلابات دیکھنے میں آئے ۔ کتاب میں صحابہ ، تعابین تبع تابعین ، علماء و اولیاء کے دلوں پر طاری ہونے والی کیفیات کا تذکرہ ہے ۔ یہ واقعات پڑھ کر دل میں جوش وجذبہ پیدا ہوتا ہے ۔ جب قوی صاحب کسی شخص کے واقعے میں قرآن کے اثر آفرین لمحوں کا بیان پیش کرتے ہیں تو پڑھنے والے بھی اس تاثیر سے بے نیاز نہیں رہ سکتے ۔ قرآن ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے ۔ اس کے علاوہ اس کی قرآت گداز پیدا کرتی ہے جس سے شخصیت نکھرتی ہے ۔ اس لیے مسلسل قرآن کے مطالعے پر زور دیا گیا ہے ۔ دنیا میں جتنے لوگ قرآن کریم کے حافظ ہیں اور کسی کتاب کے نہیں ۔ بعض اوقات قرآن کریم کی صرف ایک ہی آیت سن کر لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا ۔ حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ قوی صاحب نے اسی بات کے ثبوت کے لیے پیش کیا ہے ۔ " وجدانی نشتر " میں جو واقعات درج ہیں ان کے عنوانات سے ہی پورا واقعہ آدمی کی آنکھوں میں پھرنے لگتا ہے ۔ چند عنوانات اس طرح ہیں ۔

سورۂ مریم کا اثر نجاشی بادشاہ حبش پر ۔

تفسیر سورۂ مزمل کے دوران قاضی عبدالقادر کا انتقال ۔

صفحہ ۳۹ پر واقعہ نمبر ۱۷ میں حضرت فضیل بن عیاض کا ڈاکو سے ولی بننے کا ذکر بہت دلچسپ ہے ۔ وہ اس آیت سے متاثر ہوئے تھے ۔

" الم یان للّذینَ آمنوُ ان تخشع قلوبہم لذکر اللّٰہ "

(حدید : ١٦)

(کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللّٰہ کی یاد کے لیے نرم ہوجائیں)

عبداللّٰہ قریشی صاحب اپنے مفصل دیباچے میں لکھتے ہیں :

" وجدانی نشتر " کو پڑھنے کے بعد آپ یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اللّٰہ کے دوستوں اور عاشقوں کے لیے ساری لذت اور حلاوت قرآن پاک میں ہے ۔ اس کے سوا کسی چیز سے ان کے ذوق کی تسکین نہیں ہوتی ۔ یہی ان کے دلوں کو طمانیت و راحت بخشتا ہے ۔ اس سے ان کے قلوب حرکت میں آتے ہیں ۔

ان کی روحوں میں گداز پیدا ہوتا ہے ۔ وہ قرآن کا نمونہ بن کر دنیا میں نکلتے تھے اور لوگوں کو اپنے رنگ میں رنگ لیتے تھے ۔ کاش ہمیں بھی ایسے اثر پذیر دل عطا ہوتے جو کلام الٰہی کے جلووں کو جذب کر لیتے "

فوق صاحب کی یہ کتاب گہرے غور و فکر کی طرف متوجہ کرتی ہے ۔ رقت اور وجد کے ساتھ ساتھ عمل کی طرف بھی اکسانی ہے ۔ قرآن کریم میں اللہ فرماتے ہیں :

" لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ و تلک الامثال نضر بھا للناس لعلھم یتفکرون"
(الحشر : ۲۱)

(اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا پاتے اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں ۔)

فوق صاحب نے کتاب کی تیاری میں جن کتابوں سے مدد لی ہے ان کے نام ہیں ۔ " قرآن حکیم "، "سیرت النبی"، "الفاروق" " تاریخ ابن خلدون " ، تذکرۃ السالکین ، " شمس التواریخ " تذکرہ الولیائے دکن " اور " خزینہ الاصفیاء " ۔

کتاب کے آخر میں فوق صاحب کی دوسری کتابوں کے ساتھ " وجدانی نشتر " کا نام بھی ہے جس کے ساتھ عرف (سوزوگداز) لکھا ہوا ہے ۔ غیر مطبوعہ مسودے میں فوق صاحب کا دیباچہ بھی ہے جو اس کتاب میں نہیں چھپ سکا ۔ ان کا خیال تھا کہ جب کتاب مکمل شکل میں شائع ہوگی تو اسے شامل کر لیا جائے گا ۔ فوق صاحب غیر مطبوعہ دیباچہ میں لکھتے ہیں :

" جس زمانے میں رسالہ " طریقت "
جاری تھا تو ان واقعات کو جمع کرتا رہا
ڈاکٹر اقبال نے ان چیزوں کا نام "سوزوگداز"
رکھا تھا اور خواجہ حسن نظامی نے " وجدانی
نشتر " تجویز کیا تھا ۔ اس کے ساتھ عظیم
مرنے والوں کے آخری کلمات بھی اکٹھے کیے
جو " طریقت " میں چھپے ۔ ان تحریروں کا ایک
حصّہ " وجدانی نشتر " کے نام سے شائع ہوتا

رہا ۔ " طریقت " کی زندگی یعنی ۱۹۱۸ء میں
یہ سلسلہ ختم کرایا گیا ۔ اس کے بعد ابو الکلام
آزاد نے اپنے مشہور رسالے " الہلال " کے ۱۹۲۷ء
کے شماروں میں اپنا مضمون " انسانیت موت کے
دروازے پر " لکھا ۔ مولانا کی علمی مذہبی
تاریخی قابلیت اور ان کا زور قلم مسلّم ہے ۔
انھوں نے خوب لکھا ہے ۔ دوسرے کئی رسائل میں
بھی مشاہیر کے آخری کلمات طبع ہوئے ۔ میں
بھی ساتھ ساتھ یہ واقعات جمع کرتا رہا ۔ اب
ان کی ضخامت ۱۲۸ صفحات تک پہنچ گئی ہے " ۔

دیباچے کے نیچے ۱۹۴۳ء یکم جون کی تاریخ تحریر ہے ۔ مگر ابھی تک آخری کلمات پر مشتمل واقعات شائع نہیں ہوئے۔ ان کی اشاعت سے یقیناً فائدہ ہوگا ۔ آخری کلمات میں بعض اوقات انسان کی پوری شخصیت اور تجربات کا نچوڑ سمٹ آتا ہے ۔ آخری لمحوں میں انسان اپنی پوری زندگی کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوتا ہے ۔ حضرت سلمان فارسی نے آخری لمحات زندگی میں گھر کے سامان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا :

" دیکھو میرے گھر میں یہ چیزیں موجود ہیں ۔
میں خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا ۔ "

دیکھا گیا تو گھر میں صرف ایک تلوار ایک طشت اور ایک پیالہ تھا " ۔

تیسرے غیرے مطبوعہ حصّے کا نام " برق طور " ہے ۔ اس میں چالیس واقعات ہیں ۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ جب کسی شخص نے اشعار (عربی) سنے تو اس پر کیا اثر ہوا ۔ اشعار کا ترجمہ بھی ساتھ دیا گیا ہے تاکہ جن لوگوں کو عربی نہیں آتی وہ بھی مستفید ہوسکیں ۔

چوتھے حصّے کا نام " حال و قال " ہے ۔ اس میں سو کے قریب واقعات ہیں ۔ ان واقعات میں فارسی اشعار سے متاثر ہونے والوں کے واقعات درج کیے گئے ہیں ۔ فارسی زبان میں صوفیاء کے تجربات کا ایک خزانہ موجود ہے ۔ اولیائے کرام کی محفلوں میں سماع اسی زبان میں ہوتی ہے ۔ سماع کے دوران

مختلف وجد آفرین کیفیات کا ذکر زیادہ ہے ۔ اس کتاب کی مدد سے آج بھی سماع کو قابل سماعت بنایا جاسکتا ہے ۔ کتاب میں مولانا شیخ سعدی ، حافظ شیرازی کے اشعار کثرت سے ہیں ۔ کتاب میں موجود مولانا روم کا ایک شعر فوق صاحب کے اس انداز تحریر کی مکمل عکاسی کرتا ہے ۔

اگر تو یار نداری چرا طلب نہ کنی
اگر بہ یار رسیدی چرا طلب نہ کنی

ایسے اشعار بھی ہیں کہ ایک شعر پڑھنے سے لوگوں نے بادشاہوں کو غلط فیصلے سے بچالیا ۔

پانچویں حصّے میں وہ واقعات درج کیے گئے ہیں جو اردو اشعار سننے کے بعد لوگوں کی کیفیت بدلنے کا موجب بنے ۔ اردو زبان میں نازک خیالی اور اثر آفرینی کو ثابت کرنے کا یہ ایک انوکھا انداز ہے ۔ اس حصّے میں اقبال کے واقعات اور اشعار زیادہ ہیں ۔ اس حصّے میں اردو کے علاوہ پنجابی اشعار بھی ہیں ۔ مگر یہ حصّہ نامکمل لگتا ہے کُل بیس واقعات ہیں اور اگلے کئی صفحات خالی ہیں ۔ فوق صاحب اسے مکمل کرنا چاہتے ہوں گے مگر اس کی فرصت نہ ملی ۔ ۱۹۴۳ء کا زمانہ ان کی پیرانہ سالی اور بیماری کا زمانہ ہے ۔

ان واقعات کی فراہمی میں فوق صاحب نے بہت محنت سے کام لیا ہے ۔ یہ ایک انمول انتخاب ہے ۔ تاریخ کی شاہراہ پر ٹھہرے ہوئے واقعات کو ایک خاص ترتیب سے موضوع مشاہبت کے ساتھ تحریر کرنا آسان بات نہ تھی ۔ ان تحریروں کی اہمیت بے حد ضروری ہے ۔ فوق صاحب کی وفات کے آدھی صدی بعد اب اس کی اہمیت اور افادیت اور بھی مسلّم ہوگئی ہے۔